ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.3 2023

تصوف اور اُردو ادب۔۔۔۔ تجزیاتی مطالعہ

پروفیسر ڈاکٹر عارف جاوید
ڈین آف لینگویجز، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور
وسیم ارشد
معاون شعبہ اُردو، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور
ڈاکٹر سید تنویر حسین
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اُردو، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

Abstract:

Modern fiction writers have done the inner tourism in a good way. It has opened up the canker created in the existence of the reader, which was filled with the poison of realism. In this period, the writers, using their artistic skills, presented new symbols, metaphors, parables, that the legend began to expand in terms of subject matter and meaning, and the dual meaning began to emerge. These symbolic myth writers took the myth out of a certain circle and created a diversity, expansion of the call, thanks to which a system of creation came out that wanted to see new horizons above the level of traditions with open eyes. This is the beauty of this type of literature, which has accepted experiences, changes and changes within itself and the literature has become rich and independent.

Keyword:

اسلامی نظریات، عقائد و عبادات، تہذیب و تمدن، تصوف

لفظ "تصوف" کا سنتے ہی ذہن میں وہ خاص اسلامی نظریات، افکار اور عقائد خیال میں آتے ہیں جن کی بدولت یہ ایک خاص جماعت کا نظریہ یا عقیدہ ہے اور اس کو اسلامی نظریات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ خیال اس حقیقت سے دور نہیں کہ یہ روحانی تجربات وجدانی عمل کا نام نہیں بلکہ اہل فکر و دانش صوفیا اور عمائدین اس کی تشریحات و تقسیم کے لیے اپنی جذبات، احساسات اور کیفیات کی بیان کرتے جو راہ سلوک اختیار کرنے والوں کے قلوب میں پنپتی ہیں۔ مگر چند تعریفوں کی مدد سے ہم اس کے معانی و تعبیرات کی بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ حضرت جنید بغدادیؒ کے نزدیک تصوف کچھ یوں ہے:

"دل کو رجوع خلق سے صاف کرنا اور صفاتِ بشریت کو دل سے محو کرنا، خواہشات نفسی کو ترک کرنا اور صفاتِ روحانی پر پہنچ جانا، تمام امت کو نصیحت کرنا اور شریعت میں جناب رسالت مآب ﷺ کی پوری اور سچی متابعت کرنا۔"(۱)

محولا بالا تعریف سے ہمیں تصوف حامل اسلامی تعلیمات کا پرورد فکر و عمل کھائی دیتا ہے، جس کے مطابق انسان قلبی سکون اور روحانی تجربات کے عمل سے تب ہی گزرتا ہے جب اس کے باطن کملی والے ﷺ کے لیے خاص جذبہ مریدی موجود ہو۔ تصوف کے حوالے سے ابو حفص نیشاپوری لکھتے ہیں:

"تصوف ایک ایسے مجموعہ ادب کا نام ہے جو ہر وقت ہر مقام پر، ہر حال میں ایک خاص ادب کی راہنمائی کرتا ہے۔ جس نے اس راہ میں ملازمت آداب واوقات کرلی، مرادِ خدا کے درجے کو پہنچ گیا۔"(۲)

تصوف کے حوالے سے چند اصحاب رائے اسے ذوقی و وجدانی شے گردانتے ہیں جب کہ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہ وہ رویہ ہے جسے صوفیوں اور درویشوں نے اپنے اعمال و افکار سے اپنایا۔ حضرت علی ہجویریؒ نے مقام ولایت اور تصوف کی منازل طے کرنے کے لیے جن تین پہلوؤں کو اہم گردانا، وہ یہ ہیں:

1: "خدا کے احکام کو بغیر کسی دکھاوے، ریا کے پورے دل سے ماننا اور اس پر عمل کرنا"۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.3 2023

2:"بڑوں کی عزت کرنا اور چھوٹوں سے شفقت سے پیش آنا۔"

3:"اپنے اعصاب قابو میں رکھنا اور اس سے آزادی حاصل کرنا یعنی نفسیاتی خواہشات کا غلام نہ بننا۔"(۳)

یہ مقام ولایت کے حصول کے لیے ولیوں نے اپنی تخلیقات کے ذریعے اس امر کو واضح کرنے کی سعی کی ہے کہ تصوف دراصل روح کی اصلاح ہے جس میں خواہشات نفسانی کو ترک کر کے خالص روحانی کیفیات سے دوچار ہونا ضروری ہے۔ یہ وہ اعمال ہیں جو کہ انسان کو حسن سلوک کا درس دیتے ہیں اور خود خالق کی راہ پر گامزن رہنے کو زندگی کا نصب العین مانتے ہیں۔

اگرچہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ تصوف محض تزکیہ نفس نہیں ہے بل کہ تصفیہ قلب کی منزل طے کر کے اس میں وجدانی اور روحانی تجربات سے گزر کر خالق کی تخلیق کی خدمت کرنا ہے۔ مگر یہ رویہ انسان کی منفی اقدار کو ختم کر کے مثبت افکار کی جانب توجہ مبذول کرواتا ہے۔ اس میں اپنے اصل کی اور ذات کی شناخت کرنے کی امنگ پیدا کرتا ہے۔ یہ اخلاص سے معمور رویہ تمام ادیان میں کسی نہ کسی صورت میں بدرجہ اتم موجود ہے جو کہ فرد کے داخل میں موجود آلائشوں کو باہر نکال کر خالص اپنی اصل کی طرف لوٹنے پر اسے ترغیب دیتا ہے۔

تصوف کی آمیزش کو ہر مذہب اپنے اندر محسوس کرتا ہے اور جو قدر مختلف ادیان میں مشترک ہے وہ جسم اور روح کا رشتہ، مثبت افکار کا فروغ، ذات تک رسائی ہے۔ ان تمام جہتوں میں تمام مکتبہ فکر اپنا ناطہ اسلامی تصوف کے قریب تر محسوس کرتے ہیں۔ اور صوفیوں نے اپنے عقائد و نظریات کی ذیل میں ایسے ایسے تجربات پیش کیے ہیں بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر سامعین کے دل پر اثرات چھوڑ جاتے ہیں۔

مندرجہ بالا سطور تصوف اور صوفیوں کے مقصودِ اصل کی جہاں شرح کرتی ہیں وہیں ہمارے ذہن ہر اس فکر و عمل کا ادب سے ناطہ جوڑنے اور ان کی مشترک اقدار کو پرکھنے پر مائل کرتی ہیں۔ چوں کہ ادب کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ یہ زندگی کا جوہر ہے جو کہ زندگی کے ہر رخ کی تصویر کو اس طور سے پیش کرتا ہے کہ انسان اس علم کی بدولت معتبر ہو جاتا ہے۔ "ادب" کی تفہیم کے سلسلے میں صاحب آرایوں رقم طراز ہیں:

> "ادب تو زندگی کا جوہر ہے اور اس کی تخلیق میں نہ صرف ادیب کا ذاتی تجربہ شامل ہوتا ہے بل کہ اس کے ماضی کا سارا سرمایہ مستقبل کے تصورات حتی کہ بعض اوقات ادیب کا سماجی مرتبہ، اقتصادی حالت، ادبی شہرت اور قاری اور مربی کے تقاضے بھی شامل ہوتے ہیں۔"(۴)

ڈاکٹر انور سدید نے ادب کی وسعت کو جن الفاظ میں بیان کیا اس سے ہم ہر یہ بات کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ اس وسیع میدان میں نہ صرف ادیب کی خارجی عوامل کی بازگشت دکھائی دیتی ہے بلکہ ذاتی مشاہدہ و تجربہ بھی شامل ہے جو کہ ایک خاص ریاضت کے سبب میسر آتا ہے۔ پھر جو گداز اور دردمندی ادیب کو مائل بہ تصنیف کرتی ہے وہی عشقیہ رچاؤ، گداز حدت ایک صوفی کو خدمت خلق پر معمور کرتی ہے۔ یہ وہ مقصدِ اعمال ہیں جن کے پس پردہ معانی خدمت خلق ہی ہیں تاکہ اصلاحِ ذات کی راہ پر گامزن ہو۔ لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ حاصل دونوں اعمال کا کسی نہ کسی طور پر قدر مشترک ہی ہے تو بے جا نہ ہو گا۔

تصوف کے حوالے سے یہ غلط فہمی ہے کہ یہ خالص اسلامی عقائد کی دین ہے جو کہ خواہشات سے ماورا رویہ ہے مگر ادب نے اخلاقیات، اقدار، اخلاص اور روح کی اصلاح کے لیے ایسی تخلیقات پیش کی ہیں جس نے اس مقام پر لا کر تصوف اور ادب کو ایک دوسرے کے قریب تر بنا دیا ہے یوں ادب اور تصوف میں ایک ایسا ربط باہم پیدا ہوا جس کے نتیجے میں ادب کی اصاف نے اس کے اثرات کو قبول کیا۔

مغربی تصورات نے جہاں ہندوستان کے ادبی سرمائے پر گہرے فکری اور اخلاقی اثرات مرتب کیے وہاں ادب کو تصوف سے یکسر مختلف قرار دیا۔ ان کے نزدیک ادب کا تعلق جمالیات اور اختراعی جبلت سے ہے اور ان لوگوں نے دین کو کہیں پیچھے چھوڑ کر دل کی حالت و کیفیات کو بیان کرنے کا نام ادب دکھ دیا لیکن یہ بات ہم پس پشت نہیں ڈال سکتے کہ تخلیق ادب محض واردات قلبی نہیں بلکہ اس میں بھی عقل و حسن، مثبت اقدار اور خیر کا داعی ہونا ضروری ہے۔ جس کی بدولت ادب اعلیٰ متصور کیا جا سکتا ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.3 2023

یہ ادب کا پرچار ایسا تخلیقی عمل ہے جو وسعت قلب و نظر کے بغیر ممکن ہی نہیں اور یہی وسعت قلب و نظر اور بے تعصبی تصوف کی ایک کڑی ہے۔ڈاکٹر نفیس اقبال نے ادیب و صوفی کے مجموعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> ”ادیب جتنا اپنے نفس یا داخل کو صورت پذیر کرنے میں کامیاب ہوتا ہے اتنا ہی اعلیٰ متصور ہوتا ہے۔ صوفی جب اپنے نفس میں جھانک کر حقیقت کی آگہی کو لفظوں کے ذریعے صوفیانہ ادب میں متشکل کرتا ہے تو وہ تخلیق کے عمل سے گزرتا ہے اور خارج کو بھی داخل کا ایک رنگ بنا دیتا ہے۔“(۵)

صوفی کا علم و عرفان حالت میں صحو میں کھل کر عیاں ہوتا ہے اور اس عمل میں وہ تمام تر محسوسات کو علامتی پیرائے اظہار میں ڈھال کر مریدین پر حقیقت اولیٰ کو منکشف کرتا ہے جبکہ ادیب اپنی داخلی حالتوں میں کھو کر وجد کی حالت سے تخلیقات کرتا ہے۔ ہم ادب کو تصوف سے علاحدہ تصور نہیں کر سکتے کیونکہ جب شعرا نے اپنے نمونہ کلام کو ابتداً ادب میں پیش کیا ان میں بیشتر کے ہاں صوفیانہ فکر کی کارپردازی شامل تھی خواہ ان کا تعلق شمالی ہند کے شعرا سے ہو یا ہندوستانی شعرا سے ہو۔ ان سب کے ہاں ہمیں متصوفانہ رنگ کی گہری چھاپ دکھائی دیتی ہے۔ اردو ادب میں فارسی کے تتبع سے آنے والی شاعری میں یہ رویہ زیادہ بہتر طور پر دکھائی دیتا ہے جن میں مولانا روم، حافظ شیرازی عراقی جیسے شعرا شامل ہیں۔ جنھوں نے اپنی شاعری میں تصوف کے روحانی تجربات کو سمو دیا ہے۔

ابتداً ادب میں شاعری کو خاص طور پر غزل میں مسائل تصوف کا دکھائی دیتا ہے جس کی بدولت غزل میں موضوعات کو تنوع و وسعت ملی اور ساتھ ساتھ نت نئی اصطلاحات نے تلمیحات، استعارات اور علامات شاعری میں متعارف ہونی لگیں۔ تصوف اور شاعری کے باہمی اشتراک اور ایک دوسرے کے ربط کو ناقد فن صفی حیدر دانش یوں بیان کرتے ہیں:

> ”تصوف وجد شاعرانہ کی ایک آئینی شکل ہے اور شاعری ذوقِ صوفیانہ کی ایک والہانہ صورت کہی جا سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تصوف و شاعری میں ان کے باہمی اشتراک کے سبب سے ایک رابطۂ اتحاد قائم ہوا ہے۔“(۶)

صفی حیدر کی اس رائے میں ہمیں تصوف اور شاعری کے باہم ربط و تعلق کا پتہ چلتا ہے لیکن اس بات میں بھی گنجائش نہیں کہ صوفیا بھی ہمیشہ سے شعر کہنے و سننے کے شوقین رہے ہیں۔ صوفیانہ نے واردت کے اظہار و بیان کے لیے شاعری کا سہارا اس لیے بھی لیا کیوں کہ متصوفانہ افکار و مسائل کے ابلاغ کے لیے ایسی صنف ادب کی ہی ضرورت تھی جو قارئین اور سامعین کے براہ راست جذبات، احساسات کو اُجاگر کرے۔ اسی سبب صوفیوں نے شعر کے قالب میں ڈھال کر گہری رمزیت پیدا کرنے کی کامیاب کوششیں کی۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے لے کر ایک مستحکم سیاسی نظام کے رائج ہونے تک ہندوستانی عوام میں مقامی رنگ مکمل طور پر موجود تھے مگر جب ہندوستان پر برطانوی حکومت نے اپنی ساکھ جمائی اس کے ساتھ ہی نئی قوم کے تال میل کے باعث مقامی رنگ میں دیگر اقوام کا بھی اثر دکھائی دینے لگا۔ یہ اثر نہ صرف زبان و بیان کے حوالے سے قبول کیا گیا بل کہ نئی ثقافت اور نئے ادب کو بھی فروغ دینے لگا۔ مگر مذہب ایک ایسا پہلو تھا کہ ہر حال میں خود کو باوصف رکھے ہوئے تھا۔ جب برصغیر میں مغربی اثرات رنگ دکھانے لگے تو عوام میں اخلاقیات، تہذیب، حقیقت پسندی کی روایت نے سر اٹھایا تو اسی کے رد عمل میں دوسری تحریک برعکس منشور سے سامنے آجاتی۔ لیکن جہاں قوموں کے تال میل سے زبان میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں اسی طرح فارسی و ہندی معاشرت کے انجذاب سے مذہبی عنصر سب سے زیادہ اثر انداز ہوا۔ تصوف ایک ایسا مذہبی تفکرانہ مزاج سمیٹے ہوئے تھا۔ جس کا عطر قریب ہر مذہب میں موجود تھا۔ اس لیے تخلیق کاروں نے ذریعہ اظہار کے لیے تصوف میں پناہ لی اور یوں شاعری کے ساتھ داستانوں میں بھی درویشوں کی کرامات، معجزات، اسم اعظم، غیبی رہنمائی و امداد کا تصور دیکھا گیا۔ بعد میں اردو ناولوں میں بھی تصوف کے مسائل کی جلوہ گری دکھائی دیتی ہے۔

صوفی جس طرح معاشرے کے لوگوں کی روحانی تعلیمات کی روشنی میں اصلاح ذات کی جانب راغب کر رہے تھے بعینہ رویہ اردو ناولوں میں بھی دیکھا گیا۔ اور آغاز ہی سے ڈپٹی نذیر احمد نے روحانی و اخلاقی تعلیمات کی غرض سے ناول نگاری کا آغاز کیا اور بعد میں یہ رویہ رتن ناتھ سرشار کے ناول سیر کہار میں دیکھا گیا جہاں درویشوں کی

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.3 2023

درگاہوں میں جاکر گناہوں سے نجات کی خواہش دکھائی گئی۔ غرض عبدالحلیم شرر نے بھی اس رویہ کے اثر کو قبول کر کے متصوفانہ افکار کی پیش کش اپنے ناول فردوس بریں میں بھی کی ہے جو روایتی صوفیوں کی مانند باطنی تصورات کی جماعت ہے۔ جس کے اپنے نظریات ہیں اور اس میں بھی جگہ جگہ غیبی طاقتوں، طاہن، تاویل اور تقیہ کا گہرا عکس دکھائی دیتا ہے۔

وقت کے بدلتے ہوئے دھاروں میں تمام اصناف ادب نے اپنے اندر موضوعات کو وسعت بخشی اور ادب اپنی شکل مختلف تغیرات، تحریکات کے زیر اثر بدلتا رہا تو یہ رویہ بھی سامنے آیا کہ انیسویں صدی سے بیسویں صدی کے وسط تک ادب مقصدیت اور حقیقت نگار کا مظاہر بننے لگا اور تصوف اور ادب کا ناطہ ایک دوسرے سے کمزور پڑنے لگا کیونکہ دورِ غلامی نے جہاں لوگوں نے ان آزادنہ خواب چھینے وہاں اُن میں خود اعتمادی بھی چھین لی گئی۔ جس نے لوگوں میں شدت پسند رویوں کو جنم دیا جن کا نتیجہ انگارے کی اشاعت اور ترقی پسند تحریک بھی تھی۔ تاہم بیسویں صدی کے آخر میں جب انسان میں حریت فکر نے سر اٹھایا تو تہذیبی اقدار کی بازیافت کے لیے چند افسانہ نگاروں نے تصوف میں پناہ لی۔

جدید اردو افسانے کے فروغ میں ایک طرف صنعتی و سائنسی انقلاب کی مصروفیات شامل تھی تو دوسری طرف وہ رویہ تھا جو کہ فرد کو خارج کی بجائے داخل کی ترجمانی پر ابھار رہا تھا۔ ان داخلی، روحانی تجربات کے ساتھ صوفیانہ تجربات کی بھی جھلک اردو افسانے میں دکھائی دینے لگی۔

بیسوی صدی کی چھٹی دہائی میں تخلیق کیا جانے والا افسانہ جدید اُردو افسانے کی ذیل میں آیا۔ جس سے اُردو افسانے کا ایسا دور شروع ہوا کہ مصنفین نے خارج کی بجائے داخل کی ترجمانی شروع کر دی۔ جس سے لوگوں کا نقطۂ نظر اس کائنات کے اسرار و رموز کو دیکھنے کا یک سر بدل گیا۔ ان مصنفین نے علامتی پیرایہ اظہار اپنایا۔ اس حوالے سے ناقدِ فن کی رائے ملاحظہ کیجیے:

> ”ملک میں جمہوریت کشی اور فوجی آمریت کے ساتھ زبان و بیان اور اظہار و ابلاغ پر پابندی عائد ہوگئی جس کی وجہ سے ادیبوں نے نیا طرز اظہار (علامتی پیرانہ) اپنایا۔ اسی دور میں افسانے کی روایتی ہیئت کو توڑنے اور افسانے کو تجسیمی صورت کی جگہ تجریدی صورت دینے کی کوشش شروع ہوگئی۔“(۷)

ان بدلتے ہوئے رجحانات نے جب افسانے میں فروغ پایا تو افسانے نے جہاں روایت سے جدیدیت کا سفر کیا وہاں اس کے ساتھ بہت سی تبدیلیاں ہیئت و تکنیک کے اعتبار سے سامنے آنے لگیں۔ اس نئے افسانے میں اگرچہ اسلوب اور موضوعات کے حوالے سے بر خلاف روایتی افسانے کے بہت سی نئی جہتیں موجود تھی۔ اس لیے یہ زاویہ نگاہ اور بلحاظ اسلوب افسانے میں اہم تصور تغیر متصور کیا گیا۔ اس نئے افسانے کے حوالے سے شمس الرحمن فاروقی کے تاثرات کو محقق نے یوں نقل کیا ہے:

> ”نیا افسانہ اظہار اور رویے کی بعض ایسی جہتوں کو نمایاں کرتا ہے جو پرانے و افسانے میں ذرا دبی ہوئی تھیں۔ نئے افسانے میں سب سے بنیادی فرق افسانہ گوئی اور افسانہ نویسی کی اصطلاحوں کے ذریعے کیا جاسکتا ہے۔“(۸)

جیسا کہ اس اقتباس کے مطالعہ سے فاضل نقاد کا فکر و نظر اور جدید اور روایتی افسانے کا فرق معلوم ہوتا ہے وہ اس افسانے کے اسلوب اور زاویہ نگاہ کے ضمن میں دیکھا جاسکتا ہے لیکن اس بات سے بھی روگردانی نہیں کی جاسکتی کہ جدید افسانے کا پرانے افسانے فرق ”حقیقت کا تصور“ تھا جو کہ پرانے افسانے میں اپنی مخصوص شکل میں موجود تھی مگر اس کے ساتھ تلخ گوئی نے اخلاقیات، سماجی اقدار، مذہبی عقائد اور نظریات کو بھی ٹھیس پہنچائی لہٰذا جدیدیت کے علم برداروں نے زندگی کی کشید گی میں بھی نئی معنویت تلاش کرنے کے بارے میں غور و خوص کیا، کیوں کہ اس بے باک روایتی افسانے نے جہاں اقدار کا قتل کیا وہاں سماجی رویوں سے اکتاہٹ بھی پیدا کی۔ ایسے دور میں جدیدیت نے روحانی، داخلی، نفسیاتی تجربات کی مدد سے افسانے میں جدّت پیدا کی۔ اس کی ہیئت و تکینک کے تجربات کی مدد سے افسانے نے نیا پن اپنے بطن میں ڈھال لیا۔ اس جدید افسانے کے حوالے سے منظر شہزاد نے بیان کیا ہے:

> ”جدیدیت یا جدید افسانے کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اپنی تمام تر کمزوریوں اور خام تجربوں کے باجود مواد اور ہیئت، اسلوب و تکنیک کے اعتبار سے اُردو افسانے کے افق کو وسیع اور افسانے کے موضوعات میں تنوع پیدا کیا۔ علامتی افسانے

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.3 2023

کے اسلوب کے استعمال نے افسانے کے اکہرے پن کو ختم کر کے تہہ داری پیدا کی اورافسانے میں صرف ماجرا(پلاٹ)اور کردار نگاری پر انحصار کی بجائے خیال اوراحساس کی بنیاد پر افسانے لکھنے کا تجربہ کیا۔"(۹)

مندرجہ بالا اقتباس جدید افسانے کے مقاصد و امتیازات کو بیان کرنے کے ساتھ ہی ہم پر یہ حقیقت بھی آشکار کر دیتا ہے کہ اس طرز نگارش نے ترقی پسند افسانہ نگاروں کے انتہاپسند رویے کو بھی یکسر مسترد کر دیااور نت نئے تجربات سے اس میں معنی خیزی کو جنم دیا۔ جدید افسانے کے مطالعے سے چند اہم نکات ہمارے ذہن میں جنم لیتے ہیں جنھوں نے اس کو پرانے یاروایتی افسانے سے ممیز کیا۔ جدید افسانے کے حوالے سے ڈاکٹر آغا محمد قزلباش رقم طراز ہیں:

"جدید افسانے کا اسلوبِ بیان رمزی، اشارتی، تمثیلی، تجریدی اور استعاراتی ہے جس کے باعث کہانی یا واقعہ پر پردہ سا پڑ جاتا ہے، غالباً اسی پہلو کی وجہ سے جدید افسانے کو اینٹی سٹوری سے بھی موسوم کیا جاتا ہے مگر اس کے معانی ہر گز نہیں کہ کہانی پن سرے سے مفقود ہو کر رہ گیا ہے بلکہ جدید افسانہ تو اپنے علامتی، رمزی اور استعاراتی العباد عی وساطت سے جدید دور میں(Human Situation)کا ادراک حاصل کرنے میں معاون ثابت ہوا ہے۔"(۱۰)

اس دور میں تحریر کیے جانے والے افسانوں میں خاص طور پر انور سجاد کا "بچھو"، "نماز" سریندر پرکاش کا افسانہ "تلقار مس" براج مین راکا افسانہ "مقتل"، رشید امجد کا "گملے میں اگا ہوا شیر" جیسے افسانوں میں کہانی پن غارت ہو کر رہ گیا اوران کا قاری محض معانی و مفاہیم اور مقصد تحریر کی پہیلیوں کو حل کر تا رہ گیا۔

اُردو افسانے میں زمانے کے تغیرات کے ساتھ جو تبدیلیاں رونما ہوئیں ان میں مغربی تقلید کی اثر پزیری شامل تھی کیوں کہ اہل علم و داشن خود کو مغربی ادب کے برابر لانے کے لیے تکنیک، موضوعات، ہیئت پر جو جدید تر تجربات کر رہے تھے ان میں محض تحریکات شامل نہ تھیں بلکہ مغربی ادبا کی تحریروں کا تتبع بھی شامل تھا۔ جس کو افسانے نے فراخ دلی سے قبول کیا۔ مگر مغرب کے افسانوں کے توسط سے اُردو ادب نے جہاں افسانوں میں حقیقت نگاری یا ترقی پسند رجحانات اور علامات نگاری کو قبول کیا وہاں تجریدیت بھی ایک ایسا رجحان تھا جو کہ روایتی پرستی ہے بر خلاف ایک رد عمل کی صورت میں سامنے آیا۔ جس نے کہانی پن اور وحدت ثاثر کو اثر انداز کر کے مجرد خیالات کو بصورت پلاٹ یا قصہ پیش کیا۔ تجریدی افسانے کے حوالے سے ناقدین فن نے کہیں اس کو جدید رخ کا پیش خیمہ قرار دیا اور کہیں تاثرات کی پیش کش کا داعی قرار دے کر اس کی حمایت کی۔ تجریدی افسانے کے تجربے کے حوالے سے شہزاد منظر نے ان الفاظ میں اپنی رائے بیان کی ہے:

"تجریدیت کی ابتدا مصوری میں اس لیے ہوئی کہ مصور روایتی انداز کی تجسیمی مصوری سے اکتا چکے تھے چنانچہ انھوں نے اظہار کے لیے وسیلے کی تلاش میں فیگز کو مسخ کرنا شروع کر دیا اس طرح مصوری میں تجریدیت کی ابتدا ہوئی۔ کیا جدید افسانہ نگار یہ سمجھتے ہیں کہ اب چونکہ اُردو افسانے کی ہیئت میں مزید ترقی کی گنجائش نہیں ہے اس لیے وہ افسانہ کو اس ہیئت کی قید سے نکالنے کے لیے اس کے مروجہ ڈھانچے کو توڑ رہے ہیں۔"(۱۱)

جدید افسانہ نگاروں نے جس خوب صورتی سے باطن کی سیاحت کی اس نے قاری کے وجود میں بننے والے اس ناسور کو پھوڑا جو کہ حقیقت پسندی کے زہر سے بھرا پڑا تھا۔ اس دور میں لکھنے والوں نے اپنی فنکارانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے نت نئی علامات، استعارات، تمثیلوں کو پیش کیا کہ افسانہ بلحاظ موضوع و معانی اپنے آپ میں وسعت سمیٹنے لگا اور دوہری معنویت سر اٹھانے کی۔ ان علامتی افسانہ نگاروں نے افسانے کو ایک مخصوص دائرے سے نکال کر بلا کا تنوع، وسعت پیدا کر دی جس کی بدولت ایک نظام تخلیق سامنے آیا جو روایتوں کی سطح سے اوپر نئے افق کو کھلی آنکھوں سے دیکھنے کا خواہاں تھا۔ یہ اس صف ادب کی خوب صورتی ہے جو اپنے اندر تجربات، تغیر و تبدل کو قبول کر گیا اور افسانوں ادب متمول اور آزاد ہو گیا۔ جن افسانہ نگاروں اور ادیبوں نے اس رویے کو اپنانے ہوئے۔ اپنے اپنے تخلیقی فن پارے پیش کیے ان میں انتظار حسین، قرۃ العین حیدر، جوگندر پال، سریندر پرکاش اور انور سجاد جیسے افسانہ نگار شامل تھے۔ انھوں نے یہ علامتیں مذہب، نفسیات، علم معانی، فلسفہ جیسے دیگر علوم کے مزاج سے مستعار لے کر گہرا تاثر پیدا کیا مگر اس میں تجریدی اسلوب کی کار فرمائی بھی شامل تھی۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.6 No.3 2023

حوالہ جات

۱۔ نفیس اقبال، ڈاکٹر، چند صوفیانہ اصطلاحات، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء، ص ۷۲

۲۔ ایضاً، ص ۷۳

۳۔ رحمان حفیظ، ڈاکٹر محمد، تصوف اور صوفیا کی تاریخ عرب سے ہندوستان تک، شاکر پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۱۴ء، ص ۴۱

۴۔ انور سدید، اردو ادب کی تحریکیں، انجمن ترقی اردو پاکستان، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۴۱

۵۔ نفیس اقبال، ڈاکٹر، چند صوفیانہ اصطلاحات، ص ۱۱

۶۔ ایضاً، ص ۱۴

۷۔ شہزاد منظر، جدید اُردو افسانہ، منظر پبلی کیشنز، کراچی، ۱۹۸۶ء، ص ۱۲

۸۔ قزلباش، ڈاکٹر سلیم آغا، جدید اُردو افسانے کے رجحانات، انجمن ترقی اُردو پاکستان، کراچی، ۲۰۲۰ء، ص ۸۱

۹۔ شہزاد منظر، جدید اُردو افسانہ، ص ۶۳

۱۰۔ قزلباش، ڈاکٹر سلیم آغا، جدید اُردو افسانے کے رجحانات، ص ۴۷۲

۱۱۔ شہزاد منظر، جدید اُردو افسانہ، ص ۳۰